

جنسیاتی مُطالعے

urdukutabkhanapk.blogspot

علی عباس جلالپوری

فشیخ

فہرست

پیش لفظ	1
بلوغت اور اوائلِ شباب	2
حُسن و جمال	3
حدیثِ عشق	4
شادی	5
ہم جنسیت	6
قبیگی	7
جنس اور ادب و فن	8
بردرہ فروشی	9
جنس اور مذہب	10

جنسی انحرافات	11
نئے جنسی زاویے	12
اصطلاحات	13
کتابیات	14



اُردو کُتب خانہ

URDUKUTABKHANAPK.BLOGSPOT

پیش لفظ

ایک مستقل شعبہ علم کی حیثیت سے جنسیات کی تدوین ۱۹ ویں صدی میں عمل میں آئی تھی لیکن اس کے اصول و مبادی کا کھوج قدیم تمدنوں میں بھی ملتا ہے۔ فراعین مصر کے مقبروں کی کھدائی سے ایسی تحریریں دستیاب ہوئی ہیں جنہیں آج کل کی زبان میں خوش کا نام دیا جاتا ہے اور جو عالم عقبیٰ میں فراعین کا جی بہلانے کے لئے اُن کی ممیوں کے ساتھ دفن کی جاتی تھیں جنہیں یونانیوں، رومیوں، ہندیوں اور عربوں نے جنسی موضوعات پر مستقل کتابیں تالیف کیں اور اس علم کے بارے میں ایسے ایسے انکشافات کئے کہ بعض پہلوؤں سے آج بھی اُن پر چنداں اضافہ نہیں کیا جاسکا۔ اس ضمن میں افلاطون کے ایک شاگرد میریلیڈیز پونٹائی کی کتاب جنسی حفظ، اووڈ کی ”فن عشقبازی“ اور جونیال، مارشل اور پورلیس کی نظمیں قابل ذکر ہیں۔ اووڈ قیصر آگستس سیزر کے عہد کا مشہور شاعر تھا جس کا معاشرہ قیصر کی نواسی ہو گیا تھا اور راز فاش ہونے پر دونوں کو جلا وطن کر دیا گیا۔ ”فن عشقبازی“ اووڈ کے ذاتی مشاہدات اور واردات کا آئینہ ہے۔ وہ نسوانی فطرت کا بہت بڑا مبصر ہے۔ اُس نے مزاحیہ پیرائے میں عورتوں کو درغلانے کے گرتائے میں اور دوسری طرف عورتوں کو ہدایات دی ہیں کہ وہ کس طرح اپنے عشاق پر قابو پاسکتی ہیں۔ اووڈ، جونیال اور پورلیس کی نظموں میں معاصر رومی معاشرے کی جنسی زندگی کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں اور جنسیات کے بارے میں رموز و نکات ملتے ہیں۔ افلاطون کے مکالمے سمپوزیم اور ”فیدو“ میں اور سیفوک کی نظموں میں ہم جنسی عشق کا ذکر والہانہ شیفتگی سے کیا گیا ہے جس سے معلوم

۱۰ SEXOLOGY

ملے جنسی حفظ کے مسلک کو یونانی زبان میں

HEDONE کہتے تھے۔ اخلاقیات میں HEDONISM کا مکتب اس سے یاد رکھیے۔

ہوتا ہے کہ ہم جنسیت قدیم یونانی معاشرے کا تعلیمی ادارہ بن گئی تھی۔ قدیم چینی ادبیات میں دو کتابیں 'سُنہرا کُنول' اور 'چنگ پنگ می' قابل ذکر ہیں۔ 'سُنہرا کُنول' میں تاؤ مت کے پیروؤں کے لئے اعادہ شباب اور جنسی حظ کے حصول کے طریقے درج کئے گئے ہیں اور جنسی ترغیبات سے بچت کی گئی ہے۔ 'چنگ پنگ می' میں ایک شخص سبھی جن کی عشقیہ مہمت بیان کی گئی ہیں۔ ہندوستان میں 'وتسیان' کی کتاب "کام شاستر" مستند مانی گئی ہے۔ 'واتسیان' کا اصل نام ملی ناکا تھا۔ وہ سنیاں کی حالت میں بنارس میں مقیم تھا جب اُس نے یہ کتاب لکھی تھی۔ اُس کا زمانہ پہلی اور چوتھی صدی بعد از مسیح کے درمیان کا بتایا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں 'لنگ' شیو دیوتا کی اور یونی شکتی دیوی کی علامتیں ہیں۔ وہ 'لنگ' یونی کے اتصال کو پرش پر کرتی کے وصال کے مہاش خیال کرتے ہیں جس سے یہ کائنات بنی تھی۔ اُن کے ہاں مقاربت کی از خود رفتگی اور ملتی جلتی جلتی کیفیات ہیں۔ 'وتسیان' نے 'کام شاستر' میں اس خیال کو پیش نظر رکھا ہے۔ اُس نے عورت کی قسموں، مقاربت کے آسنوں اور جنسی کھڑکیوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ 'کام شاستر' کا ترجمہ مغرب کی بڑی بڑی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ 'لنگو کا شاستر' (لوک شاستر)، 'دمودر گیت' کی 'منشی مہتم' اور 'کیان مل' کی 'انگ رنگ' میں (لغوی معنی ہے بے رنگ (کام دیو) کے رنگ) جو لاؤ اخال لودھی کی فرمائش پر لکھی گئی تھی 'کام شاستر' ہی سے اخذ و استفادہ کیا گیا ہے۔ دتا کاٹنے پائی پتر کی کسبیوں کی فرمائش پر ایک رسالہ لکھا تھا جو دست بُرد زمانہ کا شکار ہو گیا۔ اس کے اقتباسات البتہ کہیں کہیں ملتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں ملک راج اُستد نے اپنی کتاب 'کام کلا' میں قدمائے ہند کے جنسی نظریات کو جدید انداز میں پیش کیا ہے۔

عربی زبان میں جاحظ کی کتاب 'العرس والعرائس'، 'الہملی' کی 'کتاب الباہ'، ابن حاجب النعمان کی 'کتاب الفیتان'، جلال الدین سیوطی کی کتاب 'الانلیاح فی علم النکاح'، الف لیلہ ولیلہ اور شیخ لہزادی کی 'الروضۃ العاطر فی نزہۃ الخاطر' میں جنسی مباحث ملتے لے چرچہ برپا کرنے لگے۔ 'کٹنی مہتم' لکھا ہے۔ میراجی نے اس کا خوبصورت ترجمہ کیا ہے۔

ہیں شیخ انفرادی تیونس کا رہنے والا تھا۔ یہ کتاب اُس نے ۱۷ ویں صدی میں ایک وزیر کی فرمائش پر لکھی تھی۔ رچرڈ برٹن نے روضۃ العاطر کا نہایت دلاویز ترجمہ انگریزی میں کیا اور اس پر سیر حاصل حواشی لکھے۔ بعد میں اس کے ترجمے دنیا بھر کی زبانوں میں شائع ہوئے۔ جدید دور کے علمائے جنسیات بیو بلاک ایلس اور کینے نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے اور اپنی کتابوں میں جا بجا اس سے اقتباسات دیئے ہیں۔ شیخ انفرادی نے مرد و عورت کی جنسی موافقت، رجولیت، ملاجعت اور آسنوں کے بارے میں شرح و بسط سے بحث کی ہے اور اپنے مطالب کی وضاحت کے لئے جا بجا دلچسپ کہانیاں بھی لکھی ہیں البتہ ان میں کہیں کہیں مبالغہ بھی ہے۔ شیخ انفرادی مقاربت کو محض بچے پیدا کرنے کا وسیلہ ہی نہیں سمجھتا بلکہ اسے صحت مند تفریح کا ذریعہ بھی مانتا ہے۔ رچرڈ برٹن نے "الف لیلہ و لیلہ" کا معرکہ آراء ترجمہ انگریزی میں کیا اور اس پر بیش قیمت حواشی لکھے۔ اس ترجمے کا متمم نہایت معلومات افزا ہے۔ اس میں ہم جنسیت کا اختصاصی مطالعہ کیا گیا ہے۔ جنسیات میں بین التہذیبی مطالعے کی اولیت بلاشبہ رچرڈ برٹن کو حاصل ہے۔

قدما جنسی ملاپ کو ایک فطری عمل سمجھتے تھے اور اس سے بلا تکلف حظ اندوز ہوتے تھے۔ عیسائیوں نے جنسی ملاپ کے ساتھ جرم و گناہ کے جو مریضانہ احساسات و البتہ کئے ہندویوں، یونانیوں، عربوں اور چنیوں میں اُن کا نام و نشان نہیں ملتا۔ کلیسیائے روم کے آباء کلیمنٹ، آگسٹائن وغیرہ نے یہ کہہ کر کہ آدم اور حوا کو مقاربت کے جرم میں جنت سے نکال دیا تھا اور اُن کا یہ جرم ہر بچے کو ورثے میں ملتا ہے، جنس کے ساتھ ازلی گناہ اور فحاشی کے تصورات و البتہ کر دیئے جو مور زمانہ سے عیسائی اقوام کے ذہن و قلب میں الجھنیں بن کر راسخ ہو گئے۔ یہیں سے اہل مغرب کی عورت دشمنی کا آغاز بھی ہوا اور عورت کو شیطان کا آلہ کار کہہ کر اُسے مرد و ازلی قرار دیا گیا چنانچہ تاریک صدیوں میں ہزاروں عورتوں کو اس الزام میں

آگ میں جھونک دیا گیا کہ وہ جادوگریاں ہیں اور شیطان کے پاس خلوت میں جاتی ہیں نشۃ الثانیہ کے دوران میں یونانی اور رومی علوم و فنون کے ساتھ قدماء کے طرز حیات اور اخلاقی قدروں کا اجیاء بھی ہوا اور شاعروں، فن کاروں اور نقاش نگاروں نے کھل کر حُسن و عشق کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ بوکاچیو اور شہزادی مارگریٹ کی کہانیوں، پیرار کا کے سامیٹوں، ولان کی نظموں، بے بیلی کے حصوں، چامبر کی شاعری، شیکسپیر اور مولیر کی تھیوں، ڈاؤنچی، ماسکیل اچلو اور رافیل کی تصویروں میں نئے جمالیاتی احساس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اٹھارویں صدی کو یورپ میں جنسی بے راہ روی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ یہ بے راہ روی اُس رد عمل کی انتہائی صورت تھی جو ازمنہ وسطیٰ اور تحریک اصلاح کلیسیا کی رہبانیت کے خلاف ہوا تھا۔ دسار کے ناولوں "جنس" اور "جولیت" اور بکھوس لیٹڈ کے قہصے "فینی ہل" میں اس دور کی جنسی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ انیسویں صدی میں وکٹوریہ کے عہد کی اخلاقی بندشیں عائد کر دی گئیں لیکن یہ محض دکھاوا تھا۔ ظاہری پاکبازی اور شائستگی کے پردے میں جنسی بے راہ روی کا بازار بدستور گرم رہا جیسا کہ "میری مخفی زندگی" کے گنام مصنف نے پوست کندہ بیان کیا ہے۔ اسی زمانے میں بخش نگاری کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ ادب میں یہ روایت بڑی حد تک انیسویں صدی سے یادگار ہے۔ اسی صدی میں سائنس کی ایجادات کے طفیل صنعتی انقلاب برپا ہوا اور اہل مغرب نے ایشیا، افریقہ اور امریکہ کے بیشتر ممالک پر جارحانہ تاخت کر کے انہیں اپنی مصنوعات کی کھست کے لئے وسیع منڈیوں میں بدل دیا۔ سامراج کے دوش بدوش عصمت فروشی کے کاروبار کو بھی وسعت ہوئی۔ ایشیا، افریقہ اور امریکہ کے شہروں میں بڑے بڑے قحبہ خانے کھولے گئے جہاں ہزاروں سفید فام کسبیوں کو بھی دوسری مصنوعات اور اجناس کی طرح برآمد کیا گیا اور سفید غلامی منظم تجارت کی صورت اختیار کر گئی۔ فی زمانہ سنگاپور، ہانگ کانگ اور بیروت سفید غلامی کے بڑے مرکز ہیں۔

سائنس کی ترقی کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ علم الانسان، عمرانیات، حیاتیات، نفسیات اور

طب میں حیرت انگیز انکشافات کئے گئے جس کے نتیجے میں علم جنسیات کو بھی وسعت ہوئی۔ علم
الانسان اور تاریخ تمدن کی تحقیقات نے عصمت فروشی، بلوغت اور شادی کی رسوم اور جنسیت
کے مسائل پر نئے انداز میں روشنی ڈالی۔ مارگن، رابرٹسن سمٹھ، ٹامپر، فریزر وغیرہ نے سورج کی
نئی راہیں دکھائیں۔ رابرٹ برفالٹ، ایڈورڈ ویلیئر مارک اور رچرڈ لیون سوہمن نے بیش قیمت
معلومات ہم پہنچائیں۔ ان کی کتابوں کے مطالعے سے مفہوم ہوتا ہے کہ مختلف اقوام میں بلوغت
اور شادی کی رسوم کیا تھیں اور جغرافیائی، معاشی اور تمدنی تقاضوں کے تحت جنسی معمولات کس
طرح مختلف اقوام میں مختلف صورتیں اختیار کرتے رہے نیز اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ اوائل
تمدن میں صدیوں تک مادری نظام معاشرہ قائم رہا جس میں بکارت کو غیر ضروری بلکہ مذموم سمجھا
جاتا تھا۔ ننگ اور یونی کو بار آوری اور زرخیزی کے علامتی مظاہر سمجھ کر ان کی پوجا بڑے ذوق و
شوق سے کی جاتی تھی، عورت کو مرد پر سیادت حاصل تھی اور املاک کی وارث عورت ہی تھی زریعی
انقلاب کے بعد صورت حال تبدیل گئی اور عورت مرد کی ذاتی املاک بن کر رہ گئی۔ چنانچہ ضابطہ عوامی
اور عہد نامہ قدیم کے احکام عشرہ میں پیل گائے، بھیڑ بکری کی طرح عورت کو بھی مرد کی ذاتی املاک
میں شمار کیا گیا ہے۔ زریعی معاشرے میں بکارت کو عورت کی سب سے بڑی خوبی قرار دیا گیا کیوں
کہ مرد اپنی املاک اپنے ہی صلبی فرزندوں کو ورثے میں چھوڑنا چاہتا تھا۔ غرائیات کے طلبہ
نے تاریخی شواہد سے ثابت کیا کہ عصمت فروشی کو ابتداءً تمدن میں ایک مقدس مذہبی لوازم
کی حیثیت دی گئی تھی، بعد میں اسے عام کاروبار کی صورت میں منظم کیا گیا۔ ہرش فیلڈ،
پولی ایڈلر، فریڈ ڈومزیک وغیرہ نے عصمت فروشی کے موضوع پر عضویاتی اور نفسیاتی
نقطہ نظر سے قلم اٹھایا اور جنسیات کی دنیا میں یہ نزاع شروع ہوئی کہ کوئی عورت خلقی اور
عضویاتی لحاظ سے کبسی ہوتی ہے یا ماحول اور سماج کے غلط اثرات اس کی گرامی کا باعث بنتے
ہیں۔ یہ بحث آج بھی جاری ہے۔ کارل مارٹنرخ البرخس نے یہ سوال اٹھایا کہ ہم جنسیت ایک خلقی
میلان ہے جسے مجروری سے تعبیر کرنا نقص ہے یا جو لوگ خلقی طور پر ہم جنسی ہوں انہیں

مردود و نابکار کہنا قرین انصاف نہیں ہے نفسیات اور جنسیات کے عالم میں دوسری بڑی نفع ہے جنسی نفسیات میں فرانڈ، میوٹاک ایلس، ہرٹس فیلڈ، کرافٹ ایننگ، ڈاکٹر مال، سیزر لومبروسو اور پاولو مانا گیزانے اہم انکشافات کئے اور ایڈکوشی، اینڈالسنڈی، نفسیات طفلی، جنسی ترغیب، اوائل شباب کے آشوب، نرگسیت، خود لذتی، شادی وغیرہ کے موضوعات پر خیال افروز بحثیں کی ہیں۔ ہمارے زمانے میں سچ لندے اور برٹنڈرسل نے ماقبل نکاح کے جنسی تعلق کے حق میں لالہ دیئے ہیں اور کہا ہے کہ نکاح سے پہلے دہا اور دہن سال دو سال کے لئے آزمائشی طور پر میاں بیوی بن کے رہیں تو ان کی شادی زیادہ خوشگوار ثابت ہوگی۔ یہ نظریہ اُس عظیم جنسی انقلاب کی بیش قیاسی کرتا ہے جو امریکہ اور یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد اشاعت پذیر ہو رہا ہے صنعتی انقلاب کے شیوع کے ساتھ ساتھ جہاں زرعی معاشرے کے معاشی، سیاسی اور تہذیبی نصب العین بدلتے جا رہے ہیں وہاں اس کے جنسی اخلاق کی پُرانی قدریں بھی دم توڑ رہی ہیں۔ نئے دور میں عصمت و محفّت اور نسوانی حیا کے معروف روایتی تصورات بھی بہت کچھ بدل گئے ہیں۔ میری سٹولس، پروست، جیمز جالس، برٹنڈرسل، ڈی ایچ لائرس، ہنری ملر، سارتر، سمون، دلوا، ماسٹرز جالس وغیرہ کے خیالات کی اشاعت کے ساتھ مغرب میں نئے نئے جنسی رویے صورت پذیر ہو رہے ہیں اور قدیم بت پرست اقوام کی جنسی روایات کا اجیاء عمل میں آ رہا ہے۔ ہماری صدی معاشی، سیاسی، عمرانی اور جنسی پہلوؤں سے عبوری دور کی حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ اس میں زرعی معاشرے کی پُرانی اور صنعتی معاشرے کی نئی قدروں کے مابین شدید کشمکش جاری ہے۔ آنے والی صدیاں ہی بتا سکیں گی کہ نئے معاشرے میں کس نوع کا جنسی طرز عمل صورت پذیر ہوگا البتہ یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ زرعی معاشرے کی اخلاقی اور جنسی قدیں جدید صنعتی معاشرے میں اپنی موجودہ شکل و صورت میں باقی و برقرار نہیں رہ سکیں گی۔ ان تبدیلیوں کے آثار سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام معاشرہ میں ابھی سے نمایاں ہونے لگے ہیں۔

علی عباس جلالپوری

جنوری ۱۹۷۵ء لاہور

بلوغت اور اوائل شباب

بلوغت کا انحصار بڑی حد تک آب و ہوا پر ہے۔ گرم ممالک میں بالعموم باہر تیرہ برس کی عمر کا لڑکا لڑکی بالغ ہو جاتے ہیں جب کہ سرد ممالک میں بلوغت کا آغاز پندرہ سولہ برس کی عمر میں ہوتا ہے۔ افریقہ اور عرب کے بعض حصوں میں نو دس برس کی لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں۔

فرائد نے جنسی جبلت کے ارتقاء کے تین مراحل گنائے ہیں۔ ۱۔ طفلی کی جنسیت، ۲۔ نطفگی، ۳۔ بلوغت

طفلی کی جنسیت : فرائد کے خیال میں شیرخوار بچے میں بھی جنسی خواہش موجود ہوتی ہے۔ اُس کے ہونٹوں میں کھانے کی جبلت اور جنسی حظ جمع ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ ماں کے پستان سے دودھ پیتے وقت بھوک اور جنسی خواہش دونوں کی تسفی بہ یک وقت کر لیتا ہے۔ بچہ اپنے اعضاء نہانی کے لمس سے بھی اک گونہ لذت محسوس کرتا ہے، انہیں ٹوٹتا ہے اور اُن سے کھلتا ہے۔ اُن اور آیا اُس کی ان حرکتوں کو نفرت اور تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہیں اور ڈانٹ ڈپٹ کر اُسے ان سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہیں جس سے بچے کے ذہن میں جنس کے ساتھ جرم اور گناہ کے احساسات وابستہ ہو جاتے ہیں جو اُس کے سرچشمہ حیات کو مکرر کر دیتے ہیں۔ بلوغت کے دور کی جنسی کج رویوں کی بنیاد بھی ماں باپ کے غلط رویے کے باعث اسی دور میں پڑتی ہے۔ با اوقات ماں باپ بچے کو اپنا عضو خاص ٹوٹتے دیکھ کر اُسے قطع کر دینے کی دھمکی دیتے ہیں جس سے بچہ 'فختہ کی الجھن' میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ختنے کا خوف بعد میں ضمیر کا خوف بن کر نمودار ہوتا ہے۔ یہی الجھن بلوغت کے بعد بچے کو خود کاری کی طرف مائل کرتی ہے۔ ختنی لڑکیاں اپنے بھائی کو

کے عضو خاص کو دیکھ کر اس دم میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ ان کی امی نے ان کا عضو خالص قطع کر دیا ہے اور وہ ساری عمر اس کا یہ تصور معاف نہیں کرتیں۔ نسوانی شرم و حیا اسی نقص کو چھپانے کی کوشش کا نام ہے۔ فرائڈ کے ان خیالات سے بعض علمائے لغویات نے اختلاف کیا ہے لیکن فرائڈ کے اس ادعا کو عام طور سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ بچے کی جنسی زندگی کا آغاز پیدائش کے وقت ہو جاتا ہے۔ فرائڈ کے بعض پیرو جنس میں بھی جنسی خواہش کے وجود کو مانتے ہیں۔

خفتگی۔ دوسرا مرحلہ خفتگی کا ہے جو بچے کی شیر خوارگی کے خاتمے سے شروع ہو کر بلوغت کے طلوع تک رہتا ہے۔ ان سالوں میں جنسی خواہش پس منظر میں چلی جاتی ہے لیکن اس کا اظہار بالواسطہ لڑکوں اور لڑکیوں کے کھیلوں میں ہوتا رہتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں بسا اوقات دھادہ لہن یا ڈاکٹر مرلیض کی اداکاری کرتے ہیں۔ لڑکیاں گڈے گڑیا کا نالک رچاتی رہتی ہیں۔

بلوغت۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں لڑکے لڑکی کے جنسی غدود ہارمون پیدا کرنے لگتے ہیں، قد بڑھ جاتا ہے، لڑکے کی آواز بھاری ہو جاتی ہے۔ رملی کے سینے پر ابھار آنے لگتا ہے اور اعضاء نہانی پر بال اگ آتے ہیں۔ بعض خوبصورت گول مٹول لڑکے بد وضع لم ڈھینگ بن جاتے ہیں، بعض بے ڈول کم رول لڑکیاں دیکھتے دیکھتے جادو نگاہ سیناؤں کا روپ دھار لیتی ہیں گویا انہوں نے کیپلی بدل لی ہے۔ لڑکوں کو پورا جوان بننے کے لئے کئی سال درکار ہوتے ہیں جب کہ لڑکیاں چند ماہ میں پوری عورتیں بن جاتی ہیں۔ ان جسمانی تبدیلیوں کے ساتھ ایک نامعلوم اضطراری کیفیت انہیں اپنی گرفت میں لے لیتی ہے، ہم جولیوں اور اپنی بے بڑی عمر کے لڑکوں لڑکیوں کی باتیں بڑی لچسی سے سنی جاتی ہیں جن میں اشاروں کنایوں میں بچے کی پیدائش کے عمل سے بحث کی جاتی ہے اور اعضاء نہانی کے بارے میں قیاس آریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ لڑکوں کی نسبت لڑکیاں زیادہ متحسّس ہوتی ہیں۔ وہ بلوغت کے لئے سخت بے چین ہوتی ہیں اور ایام کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتی ہیں اگرچہ پہلی بار خون حیض جاری ہونے پر دہشت زدہ بھی ہو جاتی ہیں۔ جب ایام شروع

لے اے EMBRYONIC SEXUALITY کہتے ہیں۔

ہو جائیں تو وہ ایک دوسری کو خیرہ بتاتی ہیں کہ میں جوان ہو گئی ہوں۔ لڑکی کی بلوغت کی علامت ایام کا آنا ہے، لڑکوں میں اعتلام بلوغت کی نشاندہی کرتا ہے۔ بعض لڑکے لڑکیاں جو بلوغت کے حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں ایام کے آنے پر یا اعتلام ہونے پر سخت فکر مند ہو جاتے ہیں کہ شاید ہمیں کوئی مرض لگ گیا ہے۔ بلوغت کا ذکر کرتے ہوئے سمون دلو لکھتی ہیں۔

”اولیٰ شباب میں جذبات میں مہمان اور انتشار پیدا ہو جاتا ہے، خواہشات میں ابری اور تضاد نمایاں ہو جاتا ہے، خیالات پریشان ہو جاتے ہیں، لڑکیاں رومانوی ناول بڑے ذوق سے پڑھتی ہیں، عشقیہ فلمیں دیکھتی ہیں اور اپنے محبوب اداکاروں سے پیار کرنے لگتی ہیں۔ وہ اپنے ملنے والے نوجوانوں میں محبوب اداکاروں کے خدوخال تلاش کرتی ہیں۔ وہ اپنی شکل و صورت اور لباس کے بارے میں حساس ہوتی ہیں اور معمولی سی نکتہ چینی بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ بات بات پر ٹھنکے اور الجھنے لگتی ہیں۔ ماں باپ ان کی کسی حرکت پر گرفت کریں تو خود کشی پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ وہ بسا اوقات ایک دوسری کی محبت میں یا اپنی استانیوں کے پیار میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ہر ممکن طریقے سے لڑکوں کی توجہ جذب کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جب کوئی لڑکا ان میں دلچسپی کا اظہار کرے تو وہ اپنی سہیلیوں کو فخریہ اپنی فتح کا حال سناتی ہیں کہ اُس نے مجھی کو منتخب کیا ہے۔ اس سے ان کا اعتماد اپنے حسن و کشش پر بحال ہو جاتا ہے۔ خوبصورت لڑکیاں لڑکوں کو تنگنی کا ناچ نچا کر بڑی خوش ہوتی ہیں۔ ہر لڑکی کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ اُس کے حسن و جمال، لباس کی تلاش خراش اور ذوق زیبائش و آرائش پر داد دی جائے۔ اُس کے بالوں، آنکھوں یا بدن کے تناسب کی تعریف کی جائے تو وہ خوشی سے پھوٹے نہیں سہمیں۔“

عمر کے اس نازک دور میں نوجوان اپنی شکل و صورت کے بارے میں بڑے حساس ہوتے ہیں۔ لڑکیاں

اپنی سے زیادہ خوبصورت ہیلیوں کو دیکھ کر رشک اور حسد کی آگ میں جلتی ہیں۔ لیوناسٹائے اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ بد صورت تھا۔ اپنی بد صورتی کا یہ تلخ احساس اُسے عمر بھر ستاتا رہا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنے گنواروں کے جیسے کلمے جڑے بھونڈی ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں کو دیکھ کر کڑھتا رہتا تھا۔ لکھتا ہے۔

”میرے خیال میں کسی شخص کی زندگی پر سب سے زیادہ فیصلہ کن اثر اس کی خوبصورتی یا بد صورتی کا ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ اثر اس بات کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو کچھ شش خیال کرتا ہے کہ بد شکل سمجھتا ہے۔“

اولیٰ شباب کے جذباتی فشار کا ذکر کرتے ہوئے برنڈرسل لکھتے ہیں۔

”میں چاندنی راتوں کو پاگلوں کی طرح ادھر ادھر گھومنا کرتا تھا۔ اس کا سبب شدید جنسی خواہش تھی لیکن اُس زمانے میں مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔“

نوجوانوں کے جذبات میں ہر وقت عجبان پارہتا ہے۔ وہ چھوٹی سی بات پر خوشی سے اُپھٹنے لگتے ہیں اور معمولی بنا پر مُنہ بسورنے لگتے ہیں۔ یہ رقیق جذباتیت انہیں عین سے نہیں سمجھنے دیتی نوجوان لڑکیاں چاہتی ہیں کہ اُن کی بلند از جلد شادی ہو جائے تاکہ وہ خود مختار ہو جائیں اور ماں کی ہر وقت کی نکتہ چینی اور دانٹا کھلکھل سے نجات پالیں۔ بعض لڑکیاں ماں کے درشت رویے سے تنگ آ کر گھر سے بھاگ جاتی ہیں۔ وہ پیار کے لئے ترستی رہتی ہیں اس لئے جب کوئی نوجوان اُن سے اظہارِ محبت کرتا ہے تو وہ دل و جان سے اُس پر فدا ہو جاتی ہیں۔ بعض لڑکیاں اپنی بکارت کھو کر ماں کے خلاف بغاوت کا اظہار کرتی ہیں۔ جی، بی شانے کہا ہے کہ ایک انگریز لڑکی سب سے زیادہ اپنی ماں سے نفرت کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ وہ ماں کی شفقت اور پیار کی آرزو مند بھی ہوتی ہے جو اُسے شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ نوجوان لڑکیوں کو سب سے بڑا صدمہ اُس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی لڑکے کو بھانسنے میں ناکام رہتی ہیں۔ ایک لڑکی نے جھٹاکر کہا تھا: ”کاش وہ میری جانب مائل ہو جانا اور میں

اسے رد کر سکتی ہے، جنسی مواصلت کے بارے میں سخت محسوس ہونے کے باوجود وہ اُس سے مُستغفر بھی ہوتی ہیں۔ ایک لڑکی کا پہلی بار بوسہ دیا گیا تو اُسے سخت کراہت محسوس ہوئی اور اُس نے غسلِ غمانے میں جا کر اپنے دانت برش سے صاف کئے۔ ایک اور لڑکی نے پہلی بار کے جنسی ملاپ کے بعد خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔ بہار اور خزاں کے موسموں میں نوجوانوں کا جنسی جذبہ غیر معمولی تندی سے بھرک اُٹھتا ہے۔ ان موسموں میں طوفان آتے ہیں، آندھیاں چلتی ہیں اِسی طرح انسان کے اندرون میں بھی طغیلا مچ جاتی ہے۔ بہار کے ساتھ عشقیہ شاعری کا تعلق ظاہر ہے۔ بہار کا بخار، نوجوان لڑکے لڑکیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے تو وہ رجزِ خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اُن کے رگ و پے میں نفسِ پرورِ خشکی کی کیفیتِ نفوذ کر جاتی ہے۔ قدیم زمانے میں موسمی اور فصلی تہواروں اور میلوں پر جنسی مواصلت کی آزادی دی جاتی تھی جس سے 'بہار کا بخار' اُتر جایا کرتا تھا۔

وحشی قبائل آغازِ تاریخ سے بلوغت کی رسوم ادا کرتے رہے ہیں۔ افریقہ، آسٹریلیا اور جزائرِ غربِ الہند کے وحشی قبائل میں یہ رسمیں آج بھی باقی ہیں۔ وہ انہیں صحت مند جنسی زندگی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ نختہ کرنے یا بظرفِ قطع کرنے کی رسمیں آج بھی ادا کی جاتی ہیں۔ ان کی اداسی کے بعد لڑکے اور لڑکی کو بالغ مرد اور عورت تسلیم کر لیا جاتا ہے اور انہیں قبیلے کی ذمے داریاں سونپ دی جاتی ہیں۔ لڑکوں کو خاص طور سے کڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات اُن کے اگلے دانت توڑ دیئے جاتے ہیں، انہیں کانٹوں کے بستر پر ٹایا جاتا ہے یا اُن کا بدن آگ میں تپائے ہوئے لوہے سے داغا جاتا ہے۔ اس کے دوران میں کوئی لڑکا یا عورت مار دے یا رو دے تو اُسے بالغ تسلیم نہیں کیا جاتا اور کوئی لڑکی اُس سے بیاہ کرنے پر رضامند نہیں ہوتی۔ ان عذابِ ناک آزمائشوں میں پورا اُترنے کے بعد اُسے ہتھیار دیئے جاتے ہیں، شکار میں شریک کیا جاتا ہے اور اُسے عورتوں سے متع کی اجازت مل جاتی ہے۔ وحشی خونِ حیض سے سخت خوفزدہ ہو جاتے ہیں چنانچہ ایام کے دوران میں لڑکیوں کو بستی سے دُور علیحدہ چھوڑ پڑے میں رکھا جاتا ہے۔ اُن کے خیال

میں حائفہ خطرناک اور ناپاک ہوتی ہے۔ اُس میں ایک قسم کی طبعی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس سے بچنا لازم ہے۔ حائفہ کا یہ طبع بعض مہذب اقوام میں آج بھی برقرار ہے۔ جیمز فریزر کہتا ہے کہ بعض قبائل میں بلوغت کے وقت لڑکی کو سورج کی شعاعوں سے اور جس رکھتے تھے مبادا وہ سورج کی روشنی کو اودھ نہ کر دے یا اُس کی شعاعوں سے حاملہ ہو جائے۔

بلوغت کے وقت قدر تا جنسی خواہش بڑھ اٹھتی ہے۔ چودہ اور سترہ برس کی عمر کے درمیان فوجی جنسی ملاپ کے بارے میں سخت محسوس ہوتے ہیں۔ سٹیکل کے خیل میں انہی سالوں میں اکثر و بیشتر لڑکیاں اپنی بکارت کو بیعتی ہیں۔ اُنیں برس کی عمر کے بعد البتہ جنسی خواہش میں اعتدال آ جاتا ہے۔ جوان لڑکیاں اپنے ہم عمر لڑکوں کو بچے سمجھ کر انہیں ستارت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں اور اپنی عمر سے بڑے نوجوانوں میں دلچسپی لیتی ہیں۔ پندرہ اور اٹھارہ برس کی عمر کے درمیان لڑکیاں اپنے تخیل میں مثالی مرد کا تصور بسا لیتی ہیں جو اکثر اوقات کوئی مشہور ایکٹر ہوتا ہے۔ فریڈ کے خیال میں بلوغت کے بعد جنسی خواہش خود لذتی اور ہم جنسیت کے مراحل سے گذر کر بالآخر صنفِ مخالف سے وابستہ ہو جاتی ہے لیکن یہ ارتقاء مشکلات سے خالی نہیں ہوتا۔ ہم ان مراحل کا ذکر قدرے تفصیل سے کریں گے۔

خود لذتی کی ترکیب ہیویلاک ایلس نے وضع کی تھی۔ یہ خود کاری سے وسیع تر مفہوم رکھتی ہے۔ خود کاری کا مطلب ہے اپنے اعضاءِ نہانی کو مختلف طریقوں سے چھڑک کر منزل ہونے کی کوشش کرنا۔ خود لذتی میں بغیر کسی خارجی وجود کے توسط کے اپنے ہی جسم سے حظ اندوز ہونے کی کوشش کی جاتی ہے۔ خود لذتی اور نرگسیت لازم ملزوم ہیں۔ نرگسیت انا کا جنسی پہلو ہے اس کا مطلب ہے اپنی ذات سے محبت کرنا۔ لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں میں نرگسیت کی جانب زیادہ میلان پایا جاتا ہے۔ لڑکوں میں یہ میلان زنانہ مزاجی کی علامت ہے۔ نوجوان لڑکیاں قدیم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے جسم کے دلاویز زادیوں کو مختلف پہلوؤں سے دیکھ دیکھ کر

محفوظ ہوتی ہیں اور بعض اوقات بے اختیار پکار اٹھتی ہیں ”اُف! میں کس قدر حسین ہوں!“ سمون دباؤ لگھتی ہیں۔

”نوجوان دوشیزہ اپنے بدن سے نفس پرور محبت کرتی ہے، اپنے آپ سے پیار کرتی ہے، اپنے بوسے لیتی ہے، اپنے برہمنہ کندھوں اور بازوؤں کو چومتی ہے، اپنی ٹانگوں اور چھاتیوں کو گھورتی ہے۔ آغاز شباب ہی سے اُس کے دل و دماغ میں اپنی ذات کی محبت اور مرد کی طرف راغب ہونے کی تمنا میں کشمکش پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ نرگسیت جنسی پختگی آنے پر رفع ہو جاتی ہے..... نوجوان دوشیزہ عالم حقائق سے منہ موڑ کر اپنے ہی حسین بدن کے جادو پر عقیدہ رکھتی ہے۔ جادو جو مردوں کو اُس کا مطیع کر دے گا بعض لڑکیاں اپنے برہمنہ اعضا ایک دوسری کو دکھاتی ہیں، آپس میں چھاتیوں کا مقابلہ کرتی ہیں اور عام دغا خاص بوہوں کا تبادلہ کرتی ہیں۔“

بسا اوقات نوجوان نفسانی میجان کے سیلے میں بے اختیار بہہ جاتے ہیں، اپنے جذبات کی نشور پر قابو نہیں پاسکتے اور خود کاری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ عام حالات میں اُن سے بڑی عمر کے لڑکے لڑکیاں انہیں گراہ کرتی ہیں لیکن بعض دفعہ نفسانی میجان بھی انہیں خود کاری کے طریقے دکھا دیتا ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح جنسی خواہش کے جوش و خروش کو رفع کر لیتے ہیں۔ برہنہ رسل لکھتے ہیں۔

”پندرہ برس کی عمر میں ڈسک کے ساتھ لگ کر بیٹھتے ہوئے مجھے سخت خیزش ہوتی اور میں حلق لگانے لگتا البتہ اس میں میں نے کثرت کبھی نہیں کی۔ میں اس پر شرمسار ہوتا اور اسے ترک کرنے کی کوشش کرتا تاہم میں بیس برس کی عمر تک حلق لگاتا رہا تا آنکہ عشق میں مبتلا ہوا اور میں نے یہ عادت ترک کر دی۔“ جنسی

جذبہ کے اس اُبال کے ساتھ میری مثالیت پسندی کے احساسات وابستہ تھے جن کے بارے میں سبوز مجھے علم نہیں تھا کہ یہ جنسی خواہش پر مبنی ہیں۔ مجھے بادلوں اور شفق، بہار اور خزاں کے درختوں کے صن میں بے حد دلچسپی محسوس ہونے لگی لیکن یہ دلچسپی جذباتی نوع کی تھی اور جنس کے لاشعوری ارتقاع کی ایک صورت تھی میں اس میں خزاں تلاش کیا کرتا تھا۔“

صنی میں سلاطین اور امراء کے بعض گھرانوں میں فوجی لڑکوں کو حلق سے بچانے کے لئے انہیں بالغ ہونے پر لونڈیاں دی جاتی تھیں۔ مہمدی جوان ہوا تو اُس کے باپ منصور نے اُسے ایک کیز حیاۃ عطا کی تھی۔ لیونٹا سٹائے لکھتا ہے کہ اُس کا بھائی نکولس سولہ برس کا ہوا تو اُس کے باپ نے نکولس کو ایک لونڈی تھی تاکہ وہ بے راہ روی سے محفوظ رہے۔ اس لونڈی کے لپٹن سے نکولس کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا۔ جدید تمدن میں جنسی خواہش کو بھڑکانے کے سامان تو بہت ہیں لیکن اس کی آسودگی کے وسائل کم ہیں۔ فوجی عامیانا گیت سن سن کر اور موس پر در فلمیں دیکھ دیکھ کر از خود رفتہ ہو جاتے ہیں اور نفسانی میحان سے نجات پانے کے لئے خود کاری سے رجوع لاتے ہیں۔ کتنے کی پورٹ کے مطابق امریکہ میں ۹۲ فی صد لڑکیاں سینڈہ برس کی عمر میں خود کاری کرتی ہیں البتہ جنسی مواصلت میسر آنے پر اسے ترک کر دیتی ہیں۔ کلاسٹر کی تحقیق یہ ہے کہ ناروے سویڈن میں دو تہائی لڑکیاں سولہ برس کی عمر میں خود کاری کرتی ہیں اور اکثر و بیشتر لڑکے حلق لگاتے ہیں۔

حلق کے اثرات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ رینے دگورمول اور اُس کے ہم خیال کہتے ہیں کہ حلق لگانا عین فطری ہے۔ فوجی کے نازک مرحلے پر کبھی کبھار حلق لگانے یا خود کاری کرنے سے لڑکے اور لڑکیوں کو اعصابی آسودگی اور جنسی تسکین میسر آتی ہے۔ ہیو بلاک ایس کے خیال میں حلق لگانے سے جسم کی بد نسبت ذہن زیادہ ماؤف ہوتا ہے کیوں کہ اس سے فوجی احساس جرم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جرم یا گناہ کا یہ تلخ احساس نہ ہو تو حلق چنڈاں ضرر رساں نہیں ہوتی۔ فرائد کہتا ہے کہ حلق سے جو ذہنی کرب اور احساس جرم کی اذیت محسوس ہوتی ہے وہ جسمانی حرر سے

کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اس کے خیال میں ہر فوئیز کو خود لذتی کے مرحلے سے گزرنا پڑتا ہے
 خلق اور خود کاری فوئیزوں کے نفسانی سیمان کی تسکین کا باعث ہوتی ہے۔ شیر خوار بچے بھی خود کاری
 سے محفوظ ہوتے ہیں اور فوئیزی میں اسی میلان کا احیاء ہوتا ہے۔ اکثر ڈاکٹروں اور تحلیل نفسی کے
 طلبہ کے خیال میں کبھی کبھار کی خود کاری یا خلق ضرر رساں نہیں ہوتی البتہ اس کی کثرت و مداومت
 جسمانی و نفسیاتی صحت کو تباہ کر دیتی ہے۔ اس سے لڑکوں کو زیادہ نقصان پہنچتا ہے کیوں کہ مادہ
 منویہ کا بکثرت اخراج اُن کے اعصاب کو مضمحل اور توانائی کو ختم کر دیتا ہے۔ فرائد کہتا ہے۔
 ”ڈاکٹر خلق کے مضر اثرات کو قابلِ اہتمام نہیں سمجھتے جب کہ مریض کہتے ہیں کہ اُن کے
 جملہ عوارض کا اصل سبب خلق ہی ہے۔ میرے خیال میں مریض ٹھیک ہی کہتے ہیں۔“

ڈاکٹر میری سٹولس لکھتی ہیں :-

”مردانہ کمزوری، سرعتِ انزال وغیرہ کا ایک اہم سبب خلق ہے۔ اکثر فوئیز لڑکے
 لڑکیاں خلق لگاتے ہیں۔ مذی کے اخراج سے مرد کا عضو خاص دخول میں کوئی وقت
 محسوس نہیں کرتا لیکن ہاتھ یا کسی دوسری شے کی رگڑ سے حشفہ اور عضوِ مخصوص کی رگوں
 کو نقصان پہنچتا ہے اور وہ پوری طرح نشوونما نہیں پاسکتا جس سے آدمی مقاربت
 کے قابل نہیں رہتا۔ کبھی کبھار خلق لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن فوئیزی کے
 دوران میں کثرت و تواتر سے خلق لگانا تباہ کن ہے۔ خلق کے ساتھ گناہ کی الجھن
 وابستہ ہو جاتی ہے جو اکثر اوقات سرعتِ انزال کا باعث ہوتی ہے مبلوق کو احاس
 گناہ سے نجات دلانا ضروری ہے۔ جو لوگ کبھی کبھار خلق لگاتے ہیں اُن کی صحت پر
 کوئی ناخوشگوار اثر نہیں پڑتا۔“

عام حالات میں فوئیز کبھی کبھار خلق لگا کر جنسی تسکین حاصل کر لیتے ہیں لیکن بعض فوئیز لا شعوری جبر کے
 تحت خلق لگاتے ہیں یا خود کاری سے رجوع لاتے ہیں۔ ان کی اکثریت ایسے فوئیزوں پر مشتمل ہوتی ہے

جو ماں باپ کی محبت سے محروم ہوتے ہیں یا اپنی بد صورتی کے باعث جذبِ توجہ سے قاصر رہتے ہیں۔ اس محرومی کے باعث وہ روزِ خوابی کی حالت میں تخیلاتی معاشقے کرتے ہیں۔ ان کے لئے جلتی یا خود کاری ایک جبری فعل کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ یہی وہ نوعِ مزاج ہے جن کے لئے جلتی یا خود کاری نہایت ضرور رساں ہوتی ہے۔

کثرتِ جلتی بلاشبہ ایک نوعِ مزاج کے جسم اور ذہن کے اکثر عوارض کا سبب بن جاتی ہے۔ بارہ، تیرہ برس کی عمر میں کثرت و تواتر سے جلتی لگائی جائے تو اعضائے تناسل کی نشوونما رک جاتی ہے۔ کوتاہی، لاغرئی اور بکمی کے باعث مخلوقِ مقاربت کے قابل نہیں رہتا، اُس کا نظامِ عصبی ماؤف ہو جاتا ہے اور ذکاوتِ حس کے باعث سرعتِ انزال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اُس کا بدن کمزور اور ناتواں ہوتا ہے، آنکھیں اندر دھنس جاتی ہیں، اُن کے گرد سیاہ حلقے نمودار ہو جاتے ہیں، آنکھوں کی پتلیاں بے رونق اور بے نور ہو جاتی ہیں، چہرے کا رنگ مٹایا ہو جاتا ہے، چہرے پر پھنسیاں نکل آتی ہیں، ہاتھ پیچھے بھیگے اور سرد رہتے ہیں، حافظہ کمزور ہو جاتا ہے، بات کرتے وقت وہ مخاطب سے آنکھ نہیں ملا سکتا نہ کسی مسئلے پر غور و فکر کر سکتا ہے، اُس کا اعتمادِ نفس مجروح ہو جاتا ہے، مزاج سموار نہیں رہتا، عزم و حوصلہ سے عاری ہو جاتا ہے، متلون مزاج اور چڑچڑا ہو جاتا ہے اور ٹوٹے پھوٹے جملوں میں بات کرتا ہے، دوسرے ہم سنوں کی صحبت سے گریز کرتا ہے اور کھیلوں میں حصہ نہیں لیتا، یکہ و تنہا ادھر ادھر گھومتا پھرتا ہے، لباس کے معاملے میں بے پروا ہوتا ہے، بدن کی صفائی کا خیال نہیں رکھتا، شادی کے نام سے گھبراتا ہے، جوانِ عورت سے بات کرتے ہوئے اُس کے پسینے پھوٹ جاتے ہیں اور دل دھک دھک کرنے لگتا ہے۔ وہ عصبی المزاجی اور تشویش کی الجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے جس میں سفر کر رہا ہو تو ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اُس کی ٹکڑ نہ ہو جائے، سینما ہال میں بیٹھا ہو تو اوپر دیکھتا ہے کہ کہیں چھت نہ گر پڑے۔ اُس کی اقدام اور پیش رفت کی قوت سلب ہو جاتی ہے اور اُس میں مر لطفانہ جھجک پیدا ہو جاتی ہے۔ نفسیاتی رکاوٹ کے باعث وہ معمولی سا کام بھی سلیقے سے نہیں کر سکتا مثلاً فلکی

ولے کو آواز دیتے وقت، کھڑکی سے ٹکٹ خریدتے وقت، ریل میں سوار ہوتے ہوئے، پبلک بیت الخلا کو استعمال کرنے وقت گھرا جاتا ہے۔ وہ نہ کسی کے مذاق پر کھل کر ہنس سکتا ہے اور نہ کسی کی مصیبت میں کسی سے اظہارِ ہمدردی کر سکتا ہے۔ اُس کی خاموشی اور لبِ بستگی کے باعث لوگ اُسے متکبر سمجھنے لگتے ہیں کیوں کہ وہ اُس کے عجیب و غریب طرزِ عمل کے اصل سبب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اُسے اپنی المناک حالت کا احساس ہوتا ہے اور وہ چوری چھپے اپنا علاج بھی کرتا ہے لیکن مستندِ معالج کے پاس جا کر صاف صاف اپنا حال نہیں بتا سکتا۔ اشتہاری عطائیوں سے دوائیں منگو کر کھاتا رہتا ہے جس سے اُس کی رہی سہی صحت بھی جواب دے جاتی ہے۔ وہ زندگی کے حقائق سے گریز کر کے بڑے بڑے بلندِ نصب العین اپنا لیتا ہے اور ہر دہن کے خواب دیکھنے لگتا ہے، ادبی ذوق سے بہرہ ور ہو تو معیار سے گرا ہوا ادب تخلیق کرتا ہے۔ اُس کے احساس میں جو ذکاوت اور تخیل میں جو خوابِ ناکمی سی آ جاتی ہے وہ اُس کے شعروں اور قصوں میں بھی رقیقِ جذباتیت اور المناک افسردگی کا رنگ بھرتی رہتی ہے۔

نوفیروں کو کثرتِ حلق سے علت سے بچانے کی ذمہ داری باپ پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ نوفیری کے مرحلے پر لڑکے سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ مناسب جنسی معلومات سے بہرہ مند ہوگا اور کثرتِ حلق کے اثرات و نتائج کا وقوف رکھے گا۔ لڑکا بارہ تیرہ برس کا ہو جائے تو باپ پر لازم ہے کہ وہ اُس پر نگاہ رکھے۔ لڑکے کو غلطہ کمرے میں سونے کا موقع نہ دے بلکہ رات کو اُس کی چارپائی اپنے پاس بچھوائے، اُسے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کی ترغیب دلائے، اُس کے چھوٹے موٹے عقیدے سلجھانے کی کوشش کرے اور اُسے جا بجا سرزنش نہ کرے۔ ایک نوفیر کے لئے بیکار بیٹھنا زہر ہے۔ اُس کے اوقاتِ عمل ایسے مُعین کئے جائیں کہ وہ ہر وقت مطالعے یا صحت مند قسم کے کھیل تفریح میں مصروف رہے۔ میں یہاں ایک لڑکے کی مثال دوں گا۔

حمید — یہ نام فرضی ہے — پیری جماعت میں پڑھتا تھا۔ وہ اکثر جماعت سے غیر حاضر رہتا یا چُپ چاپ اپنی نشست پر بیٹھا رہتا۔ وہ آنکھوں پر گہرا سیاہ چشمہ لگاتا تھا اور جماعت کی کسی

بحث میں حصہ نہیں لیتا تھا۔ جب کبھی اُس سے کوئی سوال پوچھا جاتا تو وہ سر ہنپڑائے چپ چاپ اپنی جگہ کھڑا ہو جاتا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑانے لگتا جس پر دوسرے لڑکے ہنسنے لگتے۔ کالج میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک دن حمید تھکتا، سمٹا ہوا میرے پاس آیا اور دیر تک بیٹھا ادھر ادھر کی بے تکلی باتیں کرتا رہا۔ اُس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا اور آنکھوں میں شکار کئے جانے والے جانور کی کرب ناک وحشت تھی۔ آغز ایسی آوازیں جو معمولی آواز سے چڑھی ہوئی تھی اور جس میں ایک دبی دبی سی چیخ محسوس ہوتی تھی یکبارگی وہ اپنا دکھارونے لگا۔ اُس نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کم اشاروں کتاویں میں زیادہ مجھے اپنی پیتا سنائی پھر گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا اور اجازت طلب کی۔ جلتے وقت وہ اپنی نوٹ بکس میرے پاس چھوڑ گیا اور کہنے لگا کہ جو کچھ میں زبانی نہیں بتا سکا وہ ان میں پڑھ لیجئے گا پھر باجیم نم بولا آپ میرے مشفق استاد ہیں میں آپ سے امداد کا طالب ہوں خدا را میری مدد کیجئے آپ میرا آخری سہارا ہیں۔ اس کے بعد وہ پورا ایک سال ہفتے میں ایک بار میرے پاس آتا رہا اور جو باتیں میرے سامنے نہ کہہ سکا وہ اپنے خطوط میں لکھ کر بھیجتا رہا۔ اُس کے خطوط میرے پاس موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

”۔۔۔۔۔ اس وقت میرے چاروں طرف تفکرات، مایوسیوں، درد و کرب، الجھنوں، پریشانیوں، غمزدگیوں کے بادل چھا گئے ہیں اور میں تھکی ہوئی نڈھال آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا ہوں میں اُن کا مقابلہ کرتے کرتے اب تھک گیا ہوں۔ میں اب اس بوجھ کو مزید اپنے کمزور و ناتواں کندھوں پر ڈال کر چند قدم بھی نہیں چل سکتا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے اندر اب موت کی خواہش پیدا ہو رہی ہے۔“

”۔۔۔۔۔ آج آپ جس شخص کو سامنے بیٹھا ہوا دیکھ رہے تھے اُس کی ان آنکھوں کی اوٹ میں درجہ طوفانی طبعی ہوئی تھی۔ میں نے کئی مرتبہ کوشش کی لیکن میں اپنے اس روحانی ودلی کرب و اذیت، تکلیف، زخموں کو مناسب و موثر طریقے سے آپ کو دکھانہیں سکا۔ میں اس درد و کرب کو ذہنی عیاشی کا ذریعہ بنا سکتا ہوں مگر روحانی عیاشی کا نہیں اس لئے کہ روح کو خوشی سے واسطہ ہے نہ کہ عیش سے۔ جب سے میں نے فلم ’زندگی یا طوفان‘ دیکھی ہے میں اتنا پریشان، غمزدہ، درد و کرب میں

مبتلا ہوں کہ میں دنیا بھر کے الفاظ استعمال کرنے کے بعد بھی اس کو درست طریقے پر بیان نہیں کر سکتا۔ میں ایک زندہ لاش ہوں جو ادھر ادھر رنگ رہی ہو اس احساس کے ساتھ کہ آج میں واقعی مُردہ ہوں۔ میں اب مرجانا چاہتا ہوں۔ کاش مجھ میں مرنے کی ہمت ہو جائے۔ اب میری پُرانی لائٹس ٹوٹ رہی ہیں۔ اب مجھ کو اگر کوئی مناسب بہار نہ ملا تو میں کمر خمیدہ کے ساتھ نیچے گر پڑوں گا اور پھر کبھی آپ کے پاس نہیں آؤں گا۔“

”میں اپنا دُلا پتلا جسم دیکھ کر شدید خود ترسی میں مبتلا ہو جاتا ہوں۔ میرے اندر یہ خیال ابھرتا ہے کہ مجھے ٹی بی ہو جائے گی اور اب میں مرجاؤں گا لیکن میں یہ نہیں سمجھتا ہوں کہ میں اس طرح گھٹ گھٹ کر جہنمی عذاب کے ساتھ ہرگز مرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، میں خود کشی کو ترجیح دوں گا لیکن میں زندگی موت کی اس جدوجہد کے دوران ایک داؤ، آخری داؤ ضرور لگانا چاہتا ہوں میں اب موبوم اُمیدوں کے سہارے زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ کاش کہ آپ اس وقت میرے دل میں بھانک سکتے۔ میں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ میری از حد نمناک، افسردہ آنکھوں میں بھانک کر میری رُوح کی شدید سسکیوں کو سُن سکتے کہ میں کس طرح ان انگاروں پر ٹوٹ رہا ہوں.... میرے اندر کی کسی کیسی عجیب اُمیدیں ہوتی ہیں جو اپنی حسرتوں کے مزاد پر دیے بھی جلاتی ہیں اور زندگی کے نئے سورج کی طرف بھی حسرت ننگ لگا ہوں سے دیکھتی ہیں۔ مجھ سے بڑھ کر مصیبت زدہ شاید ہی کوئی ہو۔ اگر میں اپنے آپ کو بد نصیب کہوں تو وہ اپنے جرائم، پر غلطیوں کی پردہ پوشی کے مترادف ہو گا اللہ بد بخت کہنے میں مجھے کوئی عار نہیں۔ اس مرحلے پر پہنچ کر اب میرے اندر جینے کی تکتا مفقود ہو رہی ہے۔“

”میری آنکھوں میں عجیب سی مدہوشی، مُردگی کا پتہ چلتا ہے، دماغ پتھر کی طرح بے حس اور ٹھس ہے.... میری حالت کتنی تکلیف دہ ہے مگر اس کے باوجود میں ایک عجیب سی بے ہوشی کے عالم میں وہی حرکتیں دہراتا رہتا ہوں.... میرے دل و دماغ پر مبہم سی کیفیات طاری ہیں؛ اُداسی، عجیب سی خلش، بے نام سی بے کیفی، افسوس و رنج۔“

لحہ بیٹا کھیاں

خود ترسی، رحم طلبی، موت کی آرزو، تشویش اور جرم کی الجھن کثرتِ حلق اور خودکاری میں مبتلا نوجوانوں کے احساس و فکر کی عکاسی کرتی ہیں۔ طوالت کے خوف سے راقم التحریر حمید کے تجزیہ نفس کی تفصیلات، اُس کی رہنمائی اور خودکاری کے جبر کو توڑنے کے سلسلے میں اپنی کوششوں کا ذکر نہیں کرے گا۔ شاید اِس ذکر کا یہ محل بھی نہیں ہے مختصر یہ کہ حمید بارہ تین برس کی عمر ہی میں خودکاری کرنے لگا۔ وہ ایک امیر باپ کا بیٹا تھا۔ اُس کا باپ ابتدائے عمر میں ایک کم مایہ درزی تھا جس نے سسرال والوں کی مدد سے کاروبار شروع کیا چند ہی سالوں میں لکھتی بن گیا۔ دوسرے نو دولتوں کی طرح وہ نہایت خود غرض، قابوچی، خسیس اور سنجی خور تھا اور اپنے بیٹوں کو ایک ایک پائی کا محتاج رکھ کر منفی قسم کی خوشی محسوس کیا کرتا تھا۔ بظاہر وہ بڑا متدین تھا لیکن زُہد و ورع کے پردے میں ذاتی مفاد کی پرورش کرتا تھا۔ یہ سب باتیں اُس کے بیٹے نے مجھے بتائیں حمید اُس کا چوتھا بیٹا تھا اور ایسا بچہ تھا جس کی ذات میں باپ نے کبھی بھی لُچپی کا اظہار نہیں کیا۔ وہ لڑکپن میں باپ کی شفقت کے لئے ترستار ہا۔ اُس کا باپ اپنے کاروبار میں اس قدر مصروف تھا کہ عفتوں تک گھر میں اُس کا چہرہ دکھائی نہیں دیتا تھا اور جب کبھی اتفاق سے وہ سامنے آ بھی جاتا تو حمید کو ڈانٹ ڈپٹ کے کے سوا کچھ نہ ملتا۔ باپ کے اِس تغافل نے حمید کو لڑکپن ہی میں اِک گونہ تشویش اور وحشت میں مبتلا کر دیا۔ اُس کی ماں کو بھی گھر کے کام کاج سے فرصت نہیں ملتی تھی، بڑے بھائی اپنے اپنے چکر بول میں پڑے تھے۔ ناچار جی بھلانے کے لئے نوکروں کے پاس بیٹھنے لگا۔ ایک دن ایک نوکر سے حمید نے پوچھا کہ یہ پریاں کیا ہوتی ہیں جن کا ذکر قصوں میں آتا ہے۔ نوکر نے کہا میں تمہیں پرستار کی میر کر اؤں گا اور اِس عنوان سے حمید کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ اوائلِ شباب ہی سے حمید کثرت سے فلمیں دیکھنے لگا۔ اِس طرح گھر کے ماحول سے اُسے فرار کا ایک راستہ مل گیا۔ فلموں میں بوس و کنار کے مناظر دیکھ دیکھ کر اور عشقیہ گلے سُن سُن کر اُس کی جنسی خواہش میں اُبال آگیا اور اُس نے خودکاری کرنا شروع کی جو شدہ شدہ جبر کی صورت اختیار کر گئی اور اُس کے لئے تفریح کا ایک وسیلہ بن گئی۔ اِن دنوں وہ اپنے آپ کو ہیر و سمجھتا تھا۔ وہ فلموں کے مکالمے یاد کر کے تہنائی میں بولا کرتا

اور اُن کے گلے گلتا یا کرتا۔ اِس کے ساتھ اُس نے ابنِ صفی وغیرہ کے عامیانا ناول پڑھنے شروع کیے۔ ایک دن گلی کی لائبریری سے اُسے وہی وہانوی کا ایک ناول پڑھنے کو ملا جس کی فیس دس روپے وصول کی گئی۔ اِن مشاغل کے لئے روپے کی ضرورت تھی چنانچہ حمید گھر میں چوری کرنے لگا۔ اُس نے انگریزی رسالوں سے عورتوں کی نیم عریاں تصویریں کاٹ کاٹ کر ایک البم بنایا جہاں کہیں اُسے کوئی نیم عریا تصویر دکھائی دیتی وہ اُسے حاصل کر کے دم لیتا تھا۔ خود کاری کے وقت وہ اِس البم کی تصویریں سامنے رکھ لیتا اور تحصیل میں فرض کر لیتا کہ یہ اُس کی صین محبوبہ ہے جو اُسے ملنے کے لئے آئی ہے۔ وہ اُس سے باتیں کرتا، پُر جوش الفاظ میں اُس سے اظہارِ عشق کرتا اور اُسے محبت بھرے فلمی گیت سُنا کرتا۔ اپنے 'حرم' کی ہر عورت سے اُسے عشق تھا۔ اِس بڑے کو گدبدی عورتوں کے بوجھل کوہوں اور بھری بھری رانوں کا ضبط تھا۔ راستہ چلتے ہوئے اُس کی منڈ بھڑکسی ایسی عورت سے ہوسباتی جس کے کوہے بھاری بھر کم ہوتے تو وہ اُس کے پیچھے پیچھے ہولیتا اور اُس کے منگتے ہوئے کوہوں پر نظریں گاڑے خاصی دیر تک اُس کا پیچھا کیا کرتا۔ بھول اُس کے وہ کسی ایسی عورت کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا دنیا کے آخری سرے تک جاسکتا تھا۔ شبانہ روز کی خود کاری سے اُس کا جسم سُکھ کر کانٹا ہو گیا اور چہرے پر زردی کھنڈ گئی۔ وہ اکثر اوقات اپنے کمرے میں گھسارہتا اور خیالات کی دُنیا بسائے رکھتا۔ وہ اپنے تصور میں کسی فلم ایکٹریس یا انگریزی رسالے کی کسی نیم عریا عورت کو بسا لیتا اور پھر ابتدائے عشق سے لے کر انتہائے وصال تک کے مراحل خیال ہی خیال میں طے کیا کرتا اِسی زمانے میں اُس نے فحش نگاری شروع کی۔ اُس کی نوٹ بُکوں میں نہایت فحش افسانے میری نظروں سے گزرے۔ فحاشی کے باوجود مجھے بعض مقامات پر اُس کی فن کارانہ بصیرت اور لطافتِ بیان کا احساس بھی ہوا۔ ظاہراً اپنے تخیلات کی عملی ترجمانی کے لئے اُس نے فحش نگاری کا سہارا لیا تھا اُس کی فحش تحریریں دیکھ کر میرا یہ عقیدہ راسخ ہو گیا کہ فحش نویس پورے مرد نہیں ہوتے اور فحاشی سے اپنی کوتاہ ہمتی کی تلافی کرتے رہتے ہیں۔

مشورے کے دوران میں ایک دن حمید نے بڑی عاجزی سے مجھ سے قرضِ حسد مانگا اور

وعدہ کیا کہ ایک ماہ تک رقم واپس کر دے گا۔ میں نے ٹال مٹول سے کام لیا کیوں کہ ایک تو مجھے اس بات کا یقین تھا کہ یہ رقم خفیہ کتابوں اور نلموں پر صرف ہوگی اور دوسرے میں جانتا تھا کہ وہ یہ قرض جلد واپس نہیں کر سکے گا، دوسرے مقررہ کی طرح جاگ جائے گا اور مشورہ ادھورا رہ جائے گا بہر صورت ایک برس کے بعد وہ اچانک غائب ہو گیا۔ اُس کا آخری خط جو مجھے ملا اُس میں حمید نے بڑی گرم جوشی سے حیران کن ادا کیا تھا۔ کچھ مدت کے بعد مجھے بتایا گیا کہ اُس کی صحت پہلے سے بہتر ہے اور اُس کے باپ نے ایک معقول کاروبار بھی اُس کے سپرد کر دیا ہے۔

نوفیذوں کی ہم جنسی محبت اگرچہ شعوری اور واضح طور پر جنسی نہیں ہوتی تاہم اُس کی تہ میں نیا نیا بیدار شدہ جنسی اُبال ضرور کارفرما ہوتا ہے۔ اس نوع کی محبت کی مثالیں ہر سکول اور کالج میں بالعموم اور طلبہ و طالبات کی اقامت گاہوں میں بالخصوص ملتی ہیں۔ ایک ہی جماعت یا مدرسے میں پڑھنے والے لڑکے بعض اوقات ایک دوسرے سے پُر خلوص محبت کرنے لگتے ہیں خوبصورت اور خوش پوش لڑکے اپنے ساتھیوں کی توجہ کے مرکز بن جاتے ہیں۔ لڑکے اُن کی تالیفِ قلب میں کوشاں رہتے ہیں اور اُن سے باتیں کرنے اور دل کر کھیلنے کے عنوان تلاش کر لیتے ہیں بعض اوقات وہ حسد اور رقابت کے مارے لڑائی جھگڑے پر بھی اُتر آتے ہیں۔ ایرانی ذوق رکھنے والے بعض اُستاد بھی خوبصورت لڑکوں کے دیدار سے آنکھیں سینکتے ہیں۔

بہ مکتب آمد آں طفل پر یزاد مبارک باد مرگِ نوبہ اُستاد

اُستادوں اور چاہنے والے طلبہ میں رقابت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ سطور قلم بند کرتے ہوئے راقم التحریر کو دو واقعات یاد آرہے ہیں۔ پہلا واقعہ لاہور کے ایک مشہور سکول سے متعلق ہے۔ کئی برس ہونے کو اُسے اس سکول کے ایک ماسٹر صاحب ایک خوب رو لڑکے پر فریضہ ہو گئے۔ وہ چھٹی کے بعد اس طالب علم کو اپنے کمرے میں بلا لیتے اور اُس سے محبت بھری باتیں کیا کرتے۔ ماسٹر صاحب کے رقیب طلبہ بھی تاک میں تھے۔ ایک دن ان لڑکوں نے ماسٹر صاحب کو عین حالتِ دگرگوں میں پکڑ لیا اور شور مچا دیا۔ بات دور تک پہنچی لیکن سکول کے وقار کے نام پر اسے دبا دیا گیا۔